

جذبہ

04-19-2017



فہرست

اعکشافات

۱. نیپولین.....

بچوں کی دنیا

۲. اعتراف.....

۳. جنگل کہانی.....

سچی کہانیاں

۴. ننھی پری.....

معاشرہ اور ثقافت

۵. خواتین کا عالمی دن.....

۷. سوشل میڈیا کے دانشور.....

۸. کاروباری راز.....

نیپولین

مصنف: یوسف

یہ اُس دور کی بات ہے جب نیپولین نے روس پر حملہ کیا تھا۔ اُس کے فوجی دستے ایک اور چھوٹے سے قصبے میں جنگ میں مصروف تھے۔ اتفاق سے نیپولین اپنے آدمیوں سے بچھڑ گیا۔ کاسک فوج کے ایک دستے نے نیپولین کو پہچان لیا اور شہر کی پُرتچ گلیوں میں اُس کا تعاقب شروع کر دیا۔ نیپولین اپنی جان بچانے کے لیے دوڑتا ہوا ایک بگلی گلی میں واقع ایک سمور فروش کی دکان میں جاگھسا۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔ دکان میں داخل ہونے کے بعد جوں ہی اُس کی نگاہ سمور فروش پر پڑی وہ بے چارگی سے کراہنے ہوئے بولا ”مجھے بچاؤ! مجھے بچاؤ! مجھے کہیں چھپا دو۔“ سمور فروش بولا ”جلدی کرو! اُس گوشے میں سمور کے ڈھیر کے اندر چھپ جاؤ!“ پھر اُس نے نیپولین کے اوپر اور بہت سے سمور ڈال دیے۔



ابھی وہ اس کام سے فارغ ہوا ہی تھا کہ کاسک فوجی دستہ دندناتا ہوا اُس کی دکان میں آگھسا اور فوجی چیخنے لگے ”وہ کہاں ہے؟“ ”ہم نے اُسے اندر آتے ہوئے دیکھا ہے؟“ سمور فروش کے احتجاج کے باوجود اُن فوجیوں نے سمور فروش کی دکان الٹ پلٹ کر رکھ دی۔ نیپولین کی تلاش میں انھوں نے دکان کا چپا چپا چھان مارا۔ وہ اپنی گھوڑوں کی ٹوہیں سمور کے ڈھیر میں گھساتے رہے لیکن نیپولین کو تلاش نہ کر پائے۔ بالآخر انھوں نے اپنی کوشش ترک کر دی اور واپس چلے گئے۔ کچھ دیر بعد جب سکون ہو گیا تو نیپولین سمور کے ڈھیر میں سے رینگتا ہوا باہر نکل آیا۔ اُسے کسی قسم کا کوئی گزند نہیں پہنچا تھا۔

تین اسی لمحے نیپولین کے ذاتی محافظ بھی اُسے تلاش

کرتے ہوئے وہاں آئے پچھتے اور دکان میں داخل ہو گئے۔ سمور فروش کو جب اندازہ ہو گیا کہ اُس نے کس عظیم شخصیت کو پناہ دی تھی تو وہ نیپولین کی جانب گھوم گیا اور شرمیلے لہجے میں گویا ہوا ”میں اتنے عظیم آدمی سے یہ سوال پوچھنے پر معذرت چاہوں گا! لیکن سمور کے اِس ڈھیر کے نیچے جب آپ کو یہ احساس ہو چکا تھا کہ اگلا لمحہ جینی طور پر آپ کی زندگی کا آخری لمحہ بھی ہو سکتا تھا تو آپ کو کیا محسوس ہوا تھا؟“ نیپولین جو اب پوری آن بان کے ساتھ تن کر کھڑا ہو چکا تھا، سمور فروش کے اِس سوال پر غصے میں آگیا اور برہمی سے بولا ”تمہیں مجھ سے، بادشاہ نیپولین سے، یہ سوال کرنے کی بہت کیوں کر ہوئی؟“

پھر وہ اپنے محافظوں سے مخاطب ہوا ”محافظو! اس گستاخ شخص کو باہر لے جاؤ۔ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دو اور اسے گولی مار دو! میں بذاتِ خود اس پر فائر کھولنے کا حکم دوں گا۔“ محافظوں نے اُس بے چارے سمور فروش کو دیوبچ لیا اور اُسے گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئے۔ پھر اُسے ایک دیوار کے ساتھ کھڑا کر کے اُس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ سمور فروش کو کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا، البتہ اُس کے کانوں میں محافظوں کے حرکت کرنے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں جو دھیرے دھیرے ایک قطار میں کھڑے ہو کر اپنی رائفلیں تیار کر رہے تھے۔

ساتھ ہی اُسے سرد ہوا کے جھونکوں اور پکڑوں کی سرسراہٹ بھی سنائی دے رہی تھی۔ ہوا کے تھپڑے اُس کے لباس سے ٹکرا رہے تھے اور اُس کے گال بچ ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اُس کی ناگہیں کپکپا رہی تھیں اور وہ اُن پر قابو پانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ تب اُس کے کانوں میں نیپولین کی آواز سنائی دی جس نے کھٹکارتے ہوئے اپنا گلا صاف کیا اور آہستگی سے بولا ”ہوشیار... شت باندھ لو۔“ اُس لمحے میں یہ جانتے ہوئے کہ اُس کے تمام احساسات و جذبات اُس سے ہمیشہ کے لیے جدا ہونے والے ہیں، سمور فروش کے اندر ایک ایسا احساس نمودیر ہونے لگا، جسے بیان کرنے سے وہ قاصر تھا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے شروع ہو گئے۔



اعتراف

مصنف: یوسف

اسکول میں ہر طرف خوشی کا سماں تھا آج سکول نویں اور دسویں کلاس کے درمیان میچ ہونا تھا پورے سکول کے بچوں کی زبان پر طلحہ کا نام تھا کیونکہ جب سے طلحہ اس سکول میں آیا تھا وہی ہر بار میچ جیت رہا تھا۔ میچ سے پہلے طلحہ اور حامد کا جب آمتا سامتا ہوا تو طلحہ نے مسکراتے ہوئے حامد کو دیکھ کر کہا ہارنے کے لیے تیار رہو۔ حامد نے بس خاموشی سے دکھا اور کہا ہار جیت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ پھر کچھ دیر بعد سکول کے گراؤنڈ میں یکا یک سب لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے۔ استاذہ صاحبہ کے آتے ہی کھیل شروع ہو گیا۔ طلحہ اور حامد کے مابین مقابلہ عروج پر تھا۔ آخر کھیل تقریباً دو گھنٹے تک چلتا ہوا آخری مرحلے میں پہنچ گیا۔ پانچ اسکور اور دو گیند کی دوری پر حامد کی ٹیم جیت کی دوری پر تھی۔ گراؤنڈ میں حامد کے نام کی پلاریں اس کی ہمت بڑھا رہی تھی۔ طلحہ کے ماتھے پر پینے کے قطرے نمودار ہو نا شروع ہو گئے تھے ہمیشہ سے جیت کا نغمہ اپنے سر سجائے والے طلحہ سے شکست ہوتی برداشت نہ ہو رہی تھی اس کے ذہن میں کھیل شروع ہونے سے پہلے حامد کے کہے ہوئے الفاظ مسلسل گونجنے لگ گئے تھے کہ۔ ”ہار جیت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے“ وہ اسی سوچ میں گم تھا جب سکول کے گراؤنڈ میں شور برپا ہو گیا۔

اس نے دیکھا کہ سب لوگ حامد کو مبارک باد پیش کر رہے ہیں اس کے والدین بھی حامد کو گلے لگاتے ہوئے دعاؤں دین رہے ہیں۔ اس کو اب اپنے والدین پر غصہ آنے لگا گیا وہ وہاں غصے سے اپنی کلاس کے کمرے میں جا کر بیٹھ گیا۔ اور ہارنے کی شرمندگی سے رونے لگ گیا۔ اسی وقت اس کے ماں باپ وہاں آ گئے اور طلحہ کو سمجھنے لگ گئے کہ تمہارے مخالفوں کو تمہاری وجہ سے دفاعی لائن میں ایک زبردست شکاف مل گیا ہے اور وہ شکاف تم ہی ہو۔

زندگی کی سب سے بڑی حقیقت اعتراف ہے۔ ایمان ایک اعتراف ہے۔ کیونکہ ایمان لا کر آدمی اپنے مقابلہ میں خدا کی بڑائی کا اقرار کرتا ہے۔ لوگوں کے حقوق کی اوائلی اعتراف ہے۔ کیونکہ ان پر عمل کر کے ایک شخص بین انسانی ذمہ داریوں کا اقرار کرتا ہے۔

یہاں تک کہ حامد کی خوشی میں خوش ہونا چاہیے اور اس کو اس کی جیت پر مبارک آباد دینی چاہیے۔ اعتراف کرنا چاہیے کہ اس نے کھیل اچھا کھیلا ہے۔ اور یہی اعتراف تمہاری جیت ہو گئی۔ مصلحتاً خوش دوسروں کی خوشی میں خوش ہونا ہے۔

حامد نے اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھے اور چلتا ہوا گراؤنڈ میں بنے میچ پر چڑھتا ہوا حامد کے سامنے جا کھڑا ہوا جہاں پر سب استاذہ اکرام حامد کے ساتھ ساتھ اس کا بھی نام لے کر بلا رہے تھے۔ سب سے پہلے اس نے حامد کو مبارک باد پیش کی۔ پھر مائیک پکڑے حامد کے ساتھ جا کھڑا ہوا وہاں موجود سب لوگ خاموشی سے اسے سننے لگا۔

جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ پچھلے سالوں سے میں ہی سکول میں جیتنا آرہا ہوں اور اس بار یہ باڑی حامد لے گیا ہے میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ حامد نے اس بار مجھے سے زیادہ اچھا کرکٹ کھیلا ہے اس بار حامد اس کھیل کا ”چیمپئن“ ہے۔

میں نے آج سیکھا ہے کہ اعتراف تمام ترقیوں کا دروازہ ہے۔ مگر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اعتراف کے لیے آمادہ کر سکے۔ جب بھی ایسا کوئی موقع آتا ہے تو آدمی اس کو اپنی عزت کا سوال بنا لیتا ہے۔ وہ اپنی غلطی ماننے کے بجائے اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خرابی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ وقت آ جاتا ہے کہ جس غلطی کا صرف زبانی اقرار کر لینے سے کام بن رہا تھا اس غلطی کا اسے اپنی بربادی کی قیمت پر اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ اور میں بربادی کی کسی قیمتی پر آکر اعتراف نہیں کرنا چاہتا ہوں۔

بے شک ہار جیت اللہ کے ہاتھ میں ہے اس نے یہ جملہ بولتے ہوئے حامد کی طرف دیکھا اور اسی وقت حامد نے طلحہ کی طرف دیکھا تو وہ دونوں مسکراتے گلے مسکراتے ہوئے طلحہ نے کہا کہ آخری بات جو میں آپ سب کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے میں اپنے استاذہ اپنے ماں باپ اور حامد کا شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے اپنے علم و حکمت سے سمجھا کر بتایا کہ غرور و تکبر اور اپنی غلطی پر پردہ ڈالنے یا ہارنے پر حسد کرنے کی بجائے دوسروں کی خوشی میں خوش ہو کر اپنی ہار کو جیت بنا کر خوش رہنا چاہیے شکر یہ۔

پورے حال میں تالیوں کی گونج گھوم رہی تھی طلحہ پر سکون ہو کر اپنی ناکامی کو بھول کر دوبارہ سے کامیابی حاصل کرنے کی کوشش میں لگن ہو گیا۔ طلحہ کا یہی اعتراف اس کی جیت بن گیا تھا۔

§§§

جنگل کہانی

مصنف: یوسف

پیارے بچوں! ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ افریقہ کے ایک جنگل میں بہت سے جانور آپس میں مل جل کر رہتے تھے۔ اور ایک دوسرے کا خیال رکھتے۔ گویا جنگل میں منگل تھا۔ شیر بھی باوجود کسی جانور کو نہ مارتا۔ اگر بھوک لگتی تو گھاس کھا لیتا یا کسی کمزور جانور کو کھا لیتا۔ جنگل کے جانور ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہے تھے کہ ایک دن نہ جانے کہاں سے اُن کے جنگل میں ایک لومڑی آگئی۔ بچوں آپ تو جانتے ہی ہیں کہ لومڑی کتنی چالاک ہوتی ہے۔ جانوروں نے اُس سے پوچھا کہ تم یہاں کیوں آئی ہو تو وہ جھوٹ موٹ کے آنسو بہانے لگی اور بولی میں جس جنگل میں رہتی تھی وہاں میری کوئی عزت نہیں کرتا تھا۔ لہذا میں مجبور ہو کر یہاں آئی ہوں۔ جانور اس کو اپنے بادشاہ شیر کے پاس لے گئے اور ساری بات بتا دی۔



شیر نے کہا دیکھو بھی تم سب جانتے ہو کہ لومڑی چالاک ہوتی ہے لہذا میں تو اس کو یہاں رکھنے کو تیار نہیں ہوں تم ساروں کی مرضی۔ جانوروں کو لومڑی پر ترس آگیا اور آخر جانوروں کے کہنے پر شیر نے لومڑی کو جنگل میں رہنے کی اجازت دے دی۔ پہلے پہل تو لومڑی بڑی شریف بن کر رہی اور کوئی اُلٹی سیدھی حرکت نہ کی۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ اُس نے اپنے رنگ دکھانے شروع کر دیے۔ اور جانوروں کو اپنی باتوں میں پھنسانے لگی۔ وہ اُن سے کہتی کہ شیر تمہارے کمزور ساتھیوں کو کھا جاتا ہے اور تم لوگ چپ رہتے ہو اگر ایسا ہی رہا تو ایک دن تم سب مارے جاؤ گے۔ شروع میں تو جانوروں نے لومڑی کی باتوں کو نظر انداز کر دیا۔ لیکن آخر جانور لومڑی کی باتوں میں آگئے اور انہوں نے شیر کے خلاف بغاوت کر دی۔ اور سارے شیر کو مارنے پر تل گئے۔ لیکن وہ کمزور تھے اور خود کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ لومڑی نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کہا میں ساتھ کے جنگل کے شیر کو جانتی ہوں وہ اُس شیر کو مار دے گا۔ جانور کچھ دیر سوچتے رہے اور پھر انہوں نے حاشی بھر لی۔ اور بی لومڑی ایک دن دوسرے جنگل کے شیر کو لے آئی۔ اس نے آتے ہی متاثرہ جنگل کے جانوروں کے بادشاہ کو خون ریز لڑائی کے بعد مار دیا۔ جس پر جنگل کے جانور بہت خوش ہوئے اور اُس کو اپنا نیا بادشاہ بنا لیا۔ لیکن کچھ دنوں بعد نئے شیر نے بھی جانوروں پر ظلم شروع کر دیا۔ سب جانور اپنے کئے پر رونے لگے۔ آخر انہوں نے ہمت کی اور ہاتھی سے مدد کی درخواست کی۔ پھر ایک دن ہاتھی اور جنگل کے تمام جانور اکٹھے ہوئے اور شیر کو جنگل سے بھگا دیا۔ اور لومڑی کی بھی خوب خبر لی اور اُس کو بھی جنگل سے نکال دیا۔ جانوروں نے ہاتھی کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔ اور سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔



نتیجہ:

بچوں اس کہانی سے یہ سبق ملتا ہے کہ آپ بغیر سوچے سمجھے کسی کی باتوں میں نہ آؤ نہیں تو نقصان اُٹھانا پڑ سکتا ہے۔

نہنی پری

مصنف: یوسف



اور آوازیں کس رہے تھے اب میں نے بغور اس لڑکی کی طرف دیکھا تو سامنے ایک پندرہ سولہ سال کی سول کے بونڈم میں ملبوس کسی چھوٹے شہر کی دھان پان سی سادہ لڑکی نظر آئی جھکے بیٹھی تھی اس کی گود میں اس کا سنا بون کا بگ بھی تھا پہلے تو میں پکا مزاق سمجھ کر گزر گیا اب مجھے معاملہ سنجیدہ نظر آنے لگا میں تھوڑی دور جا کر رک گیا اور حالات کا سنجیدگی اور نزاکت کا احساس کر نے لگا۔ میں غور سے دیکھ رہا تھا تین یا چار لڑکے تھے جو ہار ی ہار ی اس کو گنگ کر رہے تھے وہ لڑکی سر جھکائے بیٹھی تھی اس کے پاس اس کی کوئی ساتھی یا بزرگ نہیں تھا میں نے چند منٹوں میں ہی اندازہ لگا لیا کہ یہ اکیلی لڑکی ہے اس کے ساتھ کوئی بھی نہیں سورج غروب ہونے کو تھا رات کا آچل تیزی سے روشنی کو نگل رہا تھا نیم اندھیرے کی وجہ سے لڑکوں کی بد تمیزی میں اضافہ ہو تا جا رہا تھا بلکہ وہ شاید اندھیرے کا انتظار کر رہے تھے تاکہ وہ زیادہ بد تمیزی کر سکیں میں سمجھ نہیں سکتا تھا کہ کوئی اس لڑکی کو یہاں چھوڑ کر بھاگ گیا ہے اور یہ بھاری اس کا یا تو انتظار کر رہی ہے یا پھر اس کو سمجھ نہیں آ رہی کہ اب اس پر دہلی شہر میں وہ کیا کرے وہ مجبوری بے بسی کا بت بنی بیٹھی تھی اب میں جان چکا تھا کہ لڑکی شدید خطرے میں ہے اور کسی خوش فحاک حادثے کا شکار ہو سکتی ہے میں نے فوری طور پر اپنے وقت سیکورٹی گارڈ کو بلا دیا اور اس لڑکی کی طرف بڑھا مجھے اور سیکورٹی گارڈ ڈکو آتے دیکھ کر اوباش بڑے تیزی سے بھاگ گئے میں آہستہ آہستہ بیٹی کے پاس ہو گیا اور اس کے سامنے بیٹھ گیا پہلے تو وہ مجھے دیکھ کر بری طرح ڈر گئی خوف اور پردہ کی وجہ سے اس کا جسم لرز رہا تھا اس کے چہرے پر خوف کی زردی پھیلی ہوئی تھی اور آنکھوں میں خوف دہشت و ایرانی اور قبرستان کے سائلے کا راج تھا میں شفیق لہجے میں بولا بیٹی مجھ سے ڈرو نہ میں آپ کے باپ جیسا ہوں تم میری بیٹی ہو اب تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے آپ میری بیٹی ہو اب تمہیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے میرے لہجے کی شفقت اور مٹھاس سے اس کی آنکھوں میں زندگی کی رقع لہرائی اور اس نے میری طرف دیکھا میرے شفقت سے لہریں لہجے سے اس کے اندر جیسے کوئی آنسوؤں کا جھرن پڑا جیسے خود بخود کوئی والو کھل گیا ہو اور پاؤں نے بہنا شروع ہو گیا اس کی معصوم آنکھوں میں عجیب سا سیلاب تھا جو اب بند تو نہ کر سکتا تھا نہ اس کے چہرے کا زاویہ بدلانہ ہی کوئی آہ بکا نہ سسکی نہ چٹانہ آواز پائی اس کی آنکھوں سے اس کے رخساروں کو مسلسل تر کر نے لگا اس کے اندر کا کرب اس کی آنکھوں سے بہہ رہا تھا خوف اور دہشت سے وہ شاید قوت گویائی سے محروم ہو چکی تھی آنسوؤں کی ککڑت نے اس کی قوت گویائی چھین لی تھی یا وہ ککڑت کا شکار ہو چکی تھی مجھے اس پر بہت پتا آ رہا تھا میں اس کی بے بسی اور آنسوؤں کی برسات سے اندر ہی اندر کٹ رہا تھا وہ تنہی معصوم پری اپنے آنسوؤں سے اپنے اوپر ہو نے والے طلسم کی داستان سنا رہی تھی۔ میرے شفقت بھرے رویے کی وجہ سے اس نے سنی باری ہو لے کی کوشش کی لیکن زبان شاید اس کے اختیار میں نہیں تھی یا خوف نے اس کے جسم و جان کو اس بری طرح جکڑا ہوا تھا کہ الفاظ زبان پر آنے سے پہلے ہی جھٹیل ہو جاتے تھے اس کے اعصاب اور عضلات کسی بہت بڑی مٹنی کیسیائی تبدیلی سے گزر رہے تھے کہ ان کا اس میں تا ل میل ختم ہو حرکت بیٹھی تھی مجھے لگ رہا تھا وہ شاید نیم فانی کیفیت کا شکار ہو چکی ہی وہ اپنے آپ میں نہیں تھی اس کا جسم اور دماغ کسی شدید حادثے سے گزرنے کے بعد کام کرنا چھوڑ چکے تھے اس کی یہ حالت مجھ سے دیکھی نہ جا رہی تھی میں نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کے سر پر رکھ دیا محفوظ ہو تم بالکل نہ ڈرو وہ خاموش گہری نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی درد دکھ نمی بن کر اس کی آنکھوں سے بہہ رہا تھا وہ رونے کی کوشش نہیں کر رہی تھی آنسو اس کے ضبط کے سادے بندھن تو نہ کر خو و بخود بے جا رہے تھے اس کے اندر پتہ نہیں کتنے سمنوں کا پانی تھا جو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا اس کا معصوم نازک چہرہ لگا تا آنسوؤں سے جھجک چکا تھا میں چاہ رہا تھا کہ وہ کچھ بولے الفاظ نکلے وہ مجھے بے یار و مددگار چھوڑ کر چلا گیا اور پھر بلک بلک کر رونے لگی۔

میں حسب معمول اپنے گھر کے قریب وسیع و عربیہ پارک میں شام سے پہلے واک کرنے آیا ہوا تھا سردیوں کا آغاز ہو چکا تھا گرمیاں رخصت ہو رہی تھیں ٹھنڈی ہواؤں میں خشکی کا احساس بڑھ رہا تھا موسم کی خوشگواریت کی وجہ سے بہت سارے لوگ پارک میں آئے ہوئے تھے بچے، نوجوان، بڑے اور بوڑھے ہر ہر عمر کے لوگ سبز پھول درخت جھیل ہر طرف خدا کی قدرت اپنی رعنائی کا اور دلکشی کا مسحور کن احساس دلا رہی تھی کیونکہ گرمی کے بعد اب ٹھنڈ شروع ہو چکی تھی اس لیے واک کرنے والے اور پارک کی سیر کرنے والوں کی تعداد بہت بڑھ چکی تھی میں جو بچپن سے سبزے ہریالی درخت پھول جھیل فطرت کا شوقین ہوں سب کچھ انجائے کرتا ہوا تیزی سے مٹی کے وانگ ٹریک پر اوپر اوپر دیکھتا بڑے بڑے قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا حسب معمول میرے ہونٹوں پر اہمہ الحسنی کا ورد جاری تھا پارک سبز فطرت کے خوبصورت مناظر اور اللہ کا ذکر سبحان اللہ میرا جسم اور روح کیف انگیز کیفیت کو انجائے کر رہے تھے خوشگوار موسم کے اثرات سے میرا جسم روح سرشاری کی حالت میں تھے دوران واک چند ایسے دوستوں کا سامنا بھی ہوا جو اکثر یہاں واک کرتے ہیں ان سے مسکراہٹ کا تبادلہ کر کے میں آگے بڑھتا جا رہا تھا کیونکہ پارک میں لاہو ر کے لوگوں کے علاوہ بہت بڑی تعداد مسافروں یا باہر سے آنے والے لوگوں کی ہوتی ہے مختلف علاقوں سے آنے والے لوگوں کا اپنا اپنا کچھ زبانیں رنگ و جسامت یہ سب مل کر ایک مخلوط کچھ سا بنادیتے ہیں میں ان کو بغور دیکھتا جا رہا تھا اکا دکا نئے شادی شدہ جوڑے بھی نظر آ رہے تھے جو دنیا ما فیہا سے بے خبر اپنی ہی دھن میں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے بیٹھے یا چلتے نظر آ رہے تھے یہ نئے شادی شدہ جوڑے اپنی ہی دھن میں شادی کے خمار میں مست چہروں پر رنگوں کی قوس قزح نکھیرے نظر آ رہے تھے میں چونکہ بچپن سے متجسس مزاج رکھتا ہوں اور اس لیے بغور لوگوں کو دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا پارک میں اکثر نوجوانوں کے مختلف ٹولے بھی نظر آتے ہیں جو نوجوان لڑکوں کو چھیڑنے یا آوازیں کسنے سے باز نہیں آتے وہ بھی نظر آ رہے تھے ہر شریف انسان کی طرح مجھے بھی ان پر بہت غصہ آتا تھا لیکن ساتھ یہ بھی سوچ کہ یہ عمری ایسی ہے جس میں خوف ہوش کی بجائے صرف جوش اور جوش ہی ہوتا ہے اس لیے ایسے لڑکوں کو نظر انداز کر دیتا میں واک کرتا ہوا پارک کے ایسے حصے میں آگیا جہاں مجھے ایسا ہی اوباش نوجوانوں کا ٹولا نظر آیا جو شاید کسی لڑکی کو گنگ یا اس پر آوازیں کس رہے تھے میں روزانہ کی طرح نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا لیکن جب واک کرتا ہوا پارک پھر لگا کر دوبارہ اسی جگہ پر آیا تو دیکھا کہ وہ لڑکے اسی طرح ہی لڑکی کو گنگ

خواتین کا عالمی دن

مصنف: یوسف



مارچ کی ۸ تاریخ خواتین کے عالمی دن کے طور پر منائی جاتی ہے ایک طرف اللہ تعالیٰ نے جنت ماں کے قدموں میں رکھ دی ہے تو دوسری طرف آج بھی ہمارے معاشرے میں عورت کو پاؤں کی جوتی سمجھا جاتا ہے عورت کے حقوق پہ بحث کوئی نئی بات نہیں کئی صدیوں سے عورت اپنے حقوق کے حصول کے لیے جدوجہد مسلسل میں ہے۔ وہی حقوق جن کی ادائیگی آج سے 14 سو سال پہلے اسلام کر چکا۔ اسلام جس نے عورت کو عزت و مقام دیا۔ ورنہ اسلام کے آغاز سے پہلے عرب میں عورت کو زندہ گاڑ دیا جاتا تھا۔ لڑکی کی پیدائش ایک محسوس تھی۔ عورت کو فساد کی بڑ سمجھا جاتا تھا۔ ہندو معاشرہ جو آج بھی عورت کو مکمل حقوق دینے سے قاصر ہے۔ شوہر کے مرنے کے بعد عورت دوبارہ سے نازل زندگی گزارنے کا حق نہیں رکھتی۔ عورت کو ”سستی“ جیسی بے بنیاد اور غیر انسانی رسم کے مطابق زندگی گزارنا پڑتی ہے۔ مغربی معاشرے کی عورت جو کبھی Feminism کی قائل تھی اب اس معاشرتی آزادی سے تنگ آتی دکھائی دے رہی ہے۔ فرانس جیسے ترقی یافتہ ملک میں عورت کو ووٹ ڈالنے کی آزادی نہیں تھی کچھ سال قبل عورت کو ووٹ ڈالنے کا حق حاصل ہوا۔ عورت جو مغربی معاشرے میں مرد کے شانہ بشانہ معاشی ریس میں چلتی چلتی اب تھک چکی ہے۔ اس معاشرے میں جہاں عورت کو مرد کے برابر کام کرنا پڑتا ہے۔ جہاں زندگی کی ساری سہولیات کے حصول کے لیے انسان دن رات کام تو کرتا ہے مگر پیسے اور کام کی اس دوڑ میں کہیں رشتے اور خاندان بہت دور جا چکے ہیں۔ مشرقی معاشرہ جو ایک طرف تو غیرت کے نام پر بہن و بیوی اور بیٹی کا قتل جائز سمجھتا ہے۔ دوسری طرف اسی معاشرے میں کسی کی بھی بیوی، بہن اور بیٹی سڑک و بس سٹاپ اور گلی بازاروں میں چلتی پھرتی خود کو غیر محفوظ سمجھتی ہے۔ اس کم پڑھے لکھے اور غیر ترقی یافتہ معاشرے میں اگر کوئی لڑکی بس کے انتظار میں ”بس سٹاپ“ پہ کھڑی ہو تو ہر عمر کا مرد اُسے لفٹ دینے کیلئے تیار کھڑا ہوتا ہے۔ ایسا معاشرہ جہاں کسی مرد کو اپنی غیرت اور عزت تو محفوظ چاہیے مگر کسی دوسرے کی عزت انہی سڑکوں پہ زسوا کی جاتی ہے۔ آج اکیسویں صدی کے اس نام نہاد مہذب معاشرے میں عورت کی تعلیم اس کے حقوق اور آزادی پہ بات کرنے والوں نے کیا صحیح معنوں میں عورت کو عزت دینے کی کوشش کی؟ عورت کی تعلیم جس کی بات آج مغربی معاشرہ کرتا ہے اس کے بارے میں احکام تو اسلام چودہ سو سال قبل دے چکا ہے۔ نبی کریمؐ کے ارشاد کے مطابق ”علم کا حصول ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے“ ایسا پرائیویٹ مذہب جو صدیوں پہلے ہی عورت کے حقوق متعین کر چکا جو عورت کو تعلیم کا حق دے چکا۔ اُسی مذہب کے

پروکار عورت کو عزت دینے میں اتنے پختل کیوں؟ اسی پاکستان میں جو بنا ہی اسلام کے نام پر تھا آج بھی اس معاشرے میں جسمانی اور ذہنی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے کہیں اسے وراثت میں حصے سے محروم رکھا جاتا ہے تو کہیں غیرت کے نام پہ اس کا خون بہایا جاتا ہے۔ دنیا میں ہر چیز کے کچھ منفی اور کچھ مثبت پہلو ہوا کرتے ہیں۔ مرد چاہے مغربی معاشرے کا ہو یا مشرقی معاشرے کا اگر اس کی سوچ مثبت اور تعمیری ہو۔ اگر وہ اخلاقیات کے اعلیٰ درجہ پہ ہو تو وہ عورت کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھے گا۔ یہ اُس کی تربیت ہے جو اسے عورت کی عزت کرنا سکھاتی ہے۔ اور مرد کی تربیت ماں کی گود سے شروع ہو کر خاندان کے ماحول سے ہوتی ہوئی معاشرے کے طور طریقوں پہ ختم ہوتی ہے۔ شیت سوچ کے مالک لوگ نہ صرف عورت کو عزت دیتے ہیں بلکہ انہیں خاندان اور معاشرے کا نہایت اہم رکن کی حیثیت سے قبول کرتے ہیں وہ لہجہ ماں، بیوی اور بہن اور بیٹی ان سارے حوالوں سے عورت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اگر معاشرے کے مثبت پہلوؤں پہ روشنی ڈالتے ہوئے کئی روشن مثالوں کو بیان کریں تو اسی معاشرے کا حصہ ہوتے ہوئے جدوجہد آزادی میں سرگرم رہنے والی خاتون ”فاطمہ جناح مادر ملت“ کہلائیں۔ معاشرے کی فلاح اور رہنمائی کا بیڑا ستر پہ اٹھائے ہوئے دن رات مصروف عمل رہنے والی بلیس ایڈھی ایک منفرد اور اعلیٰ سوچ رکھنے والے عظیم انسان کی بیوی ہے۔



ادبی دنیا میں ایک اعلیٰ مقام رکھنے والی عظیم ادیبہ بانو قدسیہ کو بھی اشتقاق احمد جیسے ایک اعلیٰ پایے کے محقق اور مدیر انسان کی معاونت حاصل رہی۔ افواج پاکستان میں بھرتی ہونے والی خواتین جو اپنی زندگی داؤ پہ لگا کر فرض کی تکمیل کے لیے ہر روز ذیوبی پہ موجود ہوتی ہیں۔ انہی میں سے ایک فلائنگ آفسیر مریم مختیار اس وطن عزیز کیلئے جان کا نذرانہ پیش کرنے والی بہت بیٹی کا جنم بھی تو اسی معاشرے میں ہوا تھا۔ انکم اور نیوکلئیر فزکس میں مہارت رکھنے والی اس قوم کی غیور ”بیٹی“ ڈاکٹر عافیہ صدیقی، بھی تو کسی باپ کی بیٹی، کسی شوہر کی بیوی اور کسی بیٹے کی ماں ہے۔ کسی تہذیب میں تو مرد عورت کی تعلیم میں روکاوٹ بنا تو کسی جگہ اُسی کی سپورٹ کرنے میں سر فہرست رہا۔ عورت اس معاشرے کا نہایت اہم جزو ہے۔ جس کے بغیر نہ نسلیں چل سکتی ہیں نا قومیں بن سکتی ہیں۔ عورت کے وجود سے ہی زندگی ہے سوال یہ ہے کہ ”عورت آخر چاہتی کیا ہے؟“ عورت عزت چاہتی ہے تحفظ چاہتی ہے۔ عورت تعلیم حاصل کر کے زندگی کی دوڑ میں مرد کے ساتھ چلنا چاہتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عورت کا حقیقی مقام سمجھتے ہوئے جو ایک ماں بھی ہے اور ایک بیٹی بھی وہ بیوی ہے اور بہن بھی و معاشرے کی ترقی میں عورت کے کردار کو سمجھا جائے۔ تعلیم عورت کا بنیادی حق ہے۔ پڑھی لکھی ماں ہی پڑھے لکھے معاشرے کو جنم دے سکتی ہے۔ عورت کو تعلیم کے زور سے آراستہ کر کے معاشرے اور آنے والی نسلوں کے مستقبل کو روشن بنایا جا سکتا ہے اور ملک کی ترقی اور خوشحالی کا ایک نیا دور شروع ہو سکتا ہے۔



§§§

تو مجھے یاد ہی نہیں رہا "

یہی صورتحال پانامہ لیکس کے حوالے سے بھی درجش ہے ، طرح طرح کے تبصرے پڑھنے کے بعد بندہ خواہ مخواہ ہی خود کو جج سمجھ بیٹھتا ہے اور ان تبصروں کی روشنی میں فوراً فیصلہ صادر کردیتا ہے کہ نوازشریف کو عہدہ سے ہٹانے کے علاوہ عمر بھر کیلئے نااہل قرار دیا جاتا ہے ۔ ان میں سے بعض تبصرے تو بڑی ہی دلچسپی کے حامل ہوتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر عدالت عظمیٰ کی جیوری وہ پڑھ لے تو ان کی فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی ، یقیناً کریں کہ قانون، آئین کی تشریحات جس قدر دلچسپ انداز میں فہمیں یک پر نظر آتی ہیں اس کا عشر عشر کوئی حقیقی ماہر قانون و آئین نہیں ہوسکتا۔

ایک تبصرہ نگار سے اچھی خاصی سلام دعا ہے، انگہ ہر ادبی ،سیاسی تبصرہ پر واہ واہ کرنیوالوں کی تعداد ہمیشہ سینکڑوں میں ہوتی تھی، ایک دن ہم نے مشورہ دیا کہ ' آپ اچھا لکھتے ہیں آپ کی تحریروں، تبصروں میں جامعیت ہوتی ہے لہذا کسی قومی روزنامہ کا قصد کرلیں" انہوں نے بڑے ہی فخریہ انداز میں جواب دیا "انشا اللہ آپ آئندہ چند دنوں میں کسی بڑے قومی اخبار میں میری تحریر پڑھ سکیں گے" کچھ دن انتظار میں گزر گئے پھر پتہ چلا کہ ایک قومی اخبار انچارج ادبی صفحہ نے ان کے تبصرہ پر عجیب سا تبصرہ کیا "کچھ حصہ تو ڈاکٹریوس بٹ کی تخلیقات سے متاثرہ نظر آتا ہے، کچھ جملوں کی کانٹ چھانٹ فلاں فلاں رائٹر کے زیر اثر ہے، بعض پیروں پر فلاں فلاں ادبی لکھاری نے پہلے سے ہی قبضہ جمایا ہوا ہے اور جملوں کی کاٹ حسن ثار سے مستعار لی گئی ہے" اس تبصرہ نگار کے تبصرہ پر اتنا بھرپور تبصرہ یقیناً بہت ہی دلچسپ تھا کہ اس کے بعد مزید کسی تبصرے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہی

§§§

اس کے بعد یقیناً بتانے کی ضرورت نہیں رہی کہ ہمارا ایک ڈیڑھ گھنٹہ ای بحث مباحثہ کے پھر میں گزر گیا، گو کہ ابتدا میں یہ کام بڑا ہی دلچسپ تھا لیکن بعد میں بورت ہونے لگی تو ہم نے فہمیں یک سے جان چھڑا مناسب سمجھی۔خیر انگہ دن زید نے آن لائن ہوتے ہی پھر کہا کہ "واہ حقیقتیں بھائی مزہ آگیا آپ نے بکر کو خوب مزہ چکھلایا" ابھی ہم ان کے تعریفی جملوں کا لطف اٹھا رہے تھے کہ بکر صاحب نے آن لائن ہوتے ہی تقریباً ایسے ہی ملتے جلتے بیج کئے ، ہم نے دونوں کی تعریفیں دونوں باتوں سے سکتیں اور گنگے سے لگائیں۔

صاحبو! سوشل میڈیا پر محض یہ دو ہی ایسے کردار نہیں بلکہ روزانہ ایسے کردار سے واسطہ پڑتا ہے، جن کی فرمائشیں بھی عجیب ہوتی ہیں، ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے کھلے پر واہ واہ کرنے کے علاوہ چند ایک جملے بھی لکھے جائیں تاکہ ان کی پوسٹ کی گئی"حقیقت نما شے" کی اہمیت و اہمیت بڑھ جائے ۔ اچھا ان باتوں کو چھوڑیے یہ دیکھئے کہ واہ واہ کی خواہش کسے نہیں ہوتی لیکن سوشل میڈیا خاص طور پر فہمیں یک کے حوالے سے عجیب طرز کی کہانیاں بھی سامنے آتی ہیں اس دنیا کے دانشور جس قدر سچے اور یکے ہیں ای قدر واہ واہ کرنیوالوں کی حالت بھی دیکھی ہی ہے۔ پانامہ کیس سے لیکر پی ایس ایل تک ، اگر فہمیں یک دانشوروں کے تبصرے پڑھے جائیں تو بندہ خود سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ اگر اتنی ہی دانش ان افراد میں ہوتی تو قوم کی یہ حالت نہ ہوتی۔ گویا دانش بیچارے بھی دانشوروں کی عقل پر ماتم کرتی نظر آتی ہے۔ 2013 کے انتخابات کے دوران بھی عالم کچھ ایسا ہی تھا ، طرح طرح کے تبصروں سے ہم نے نتیجہ اخذ کیا کہ اب کی بار نہ تو بیٹل پڑی جیت پائے گی اور نہ ہی مسلم لیگ کے سر کامیابی کا سہرا سچے گا ، عمران خان بھی بس فتنی فتنی کامیابی حاصل کریگے ؟ لیکن اصل کامیابی ہوگی کس کی؟ یہ سوال الیکشن کے نتائج تک اوجھڑا رہا لیکن جوئی انتخابات ہوئے تو پتہ چلا کہ مسلم لیگ ن واضح اکثریت کے ساتھ حکومت بنانے کی پوزیشن میں ہے۔ سوال وہی کہ اگر فہمیں یک کے دانشوروں کے اٹھائے گئے چاند سورج کے بارے قیاس کیا جائے تو یہی لگتا ہے کہ ابھی دن کو رات اور رات کو دن بتا دیں گے۔

ایک ایسے ہی فہمیں یک کی دانشور سے بات چیت ہو رہی تھی فرمانے لگے " پی ایس ایل کی ٹیموں کا جائزہ لینے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ کراچی کنڈر ، لاہور قلندر جیسی ٹیموں پر خود انہیں بھی اعتبار نہیں، پشاور ذمی ، کوئٹہ گلڈن ایٹر کے چیتے کے بھی امکانات کم ہیں، اسلام آباد یونائیٹڈ بھی گذشتہ برس جیسی مضبوط ٹیم نہیں ہے" اس تبصرہ نگار سے ہم نے پوچھا " پھر کون جیتے گا " یہ سوال پڑھتے ہی انہوں نے فرمایا "اووہ ہو و و و و و"

سوشل میڈیا کے دانشور

مصنف: یوسف

زید سے ہماری سلام دعا یا گپ شپ فہمیں یک کے ذریعے ہوئی، گپ شپ بھی بذریعہ میج ہوتی رہی ، دوران گپ شپ پتہ چلا کہ یہ صاحب کسی مذہبی جماعت کے کارکن اور ایک بہت بڑے مذہبی رہنما کے ماننے والے ہیں ایک دن انہوں نے ہمیں فہمیں یک کے ان ہاس میں میج کیا کہ "حقیقتیں بھائی! میری وال پر فلاں صاحب نے میرے قائد کے بارے میں عجیب وغریب جملے لکھ رکھے ہیں، بلیز آپ اسے جواب دیں" ان کی بات نے حیران کر دیا ، ہم نے عرض کی "حضور! دیکھیں ہوسکتا ہے کہ آپ کے قائد کے حوالے سے ہمارے بھی تحفظات ہوں اس لئے آپ براہ کرم ہمیں معاف رکھیں،" زید نے کہا کہ " آپ ایسا کریں میری وال پر آکر ایک دفعہ دیکھ لیں کہ اس نے کیا بکواس کر رکھی ہے، اس کے بعد آپ مجھے اس کا جواب لکھ کر ان ہاس کریں" تجویز خاصی معقول تھی اس لئے ہم نے حامی بھری ، اتفاق دیکھئے کہ ان کی وال پر عجیب وغریب تبصرے کرنیوالے صاحب (انہیں آپ بکر سمجھ لیں) بھی ہمارے فہمیں یک کی دوست تھے، بکر کے تبصرہ کو غور سے پڑھا اور پھر اس کا اردو فائنٹ میں جواب لکھ کر زید کو ان ہاس کر دیا، دو تین مرتبہ یہ کام کرنے کے بعد اچانک بکر کی طرف سے ان ہاس میں میج ملا "حقیقتیں بھائی! یہ لڑکا زید جو ہے ، اس کی وال پر میری بحث چل رہی ہے اچانک اس نے اسنے دلائل کے ساتھ جواب دینا شروع کر دیا کہ میں حیران ہوں، آپ بلیز میری حلیت میں لکھ دیں کیونکہ آپ نے بھی ایک سے زائد مرتبہ اس کے قائد کے حوالے سے کچھ ایسی ویسی باتیں کہی تھیں" ہم نے عرض کی "حضور! وہ باتیں اس وقت کے حساب سے تھی ہمارا ان کے قائد سے کوئی ذاتی اختلاف نہیں اس لئے آپ ہمیں معاف رکھیں" بکر نے منت کے انداز میں کہا کہ "اچھا ایسا کریں آپ جواب لکھ کر مجھے ان ہاس کر دیں میں خود پوسٹ کردوں گا "





کاروباری راز

مصنف: یوسف

اس دوکان سے مجھے میڈیسن خریدتے تیسرا روز تھا، اور میں میڈیکل سٹور والے کی خوش اخلاقی سے کافی متاثر بھی تھا، اسی وجہ سے میں بار بار اسی دوکان والے کے پاس جا رہا تھا۔ ہسپتال میں موجود مرلیش جس کیلئے ادویات خریدی جا رہی تھیں اب تقریباً احتیاج ہو رہا تھا۔



ڈاکٹرز نے جو ادویات لکھ کر دی تھیں، ان میں سے کچھ ادویات بچ گئیں تھیں جو کہ فل پیکنڈ اور قابل استعمال تھیں۔ میں نے سوچا یہ ادویات واپس کر دی جائیں۔ جب میں اس ارادے سے میڈیکل سٹور والے کے پاس پہنچا اور اسے ادویات کی واپسی کا بولا تو پہلے تو اس نے میری طرف عجیب نظروں سے دیکھا پھر ایسے رد عمل کا اظہار کیا جیسے میں نے اسے کوئی گالی نکال دی ہو۔ اس نے ادویات واپس لینے سے صاف انکار کر دیا۔ میں حیران رہ گیا کہ جس بندے کے پاس صرف اس کی خوش اخلاقی کی وجہ سے بار بار میں جا رہا تھا اب میرے ساتھ کس طرح کا حسن سلوک کر رہا ہے۔ خیر میں نے زیادہ اصرار کیا تو موصوف کہنے لگے کہ واپسی اس صورت میں ہوگی اگر آپ نقد رقم واپسی کی بجائے کوئی دوسری میڈیسن خریدیں۔ پھر مجبوراً مجھے تبدیل کے طور دوسری ادویات خریدنی پڑی، لیکن واپسی پر میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ ہے تو وہ مسلمان اور باہر بورڈ میں نام میں بھی حاجی لکھا ہوا ہے۔ لیکن سلمان دیتے وقت اور لیتے وقت اس کے رویے میں فرق کیوں تھا؟ اس وجہ سے میں نے آئندہ کبھی بھی اس سے کچھ نہ خریدنے کا تہیہ کر لیا۔ اس طرح کے واقعات ہو سکتا ہے آپ کے ساتھ بھی رونما ہوئے ہوں، لیکن اس واقعہ کے پیچھے ایک اہم کاروباری راز پوشیدہ ہے جس کو ہمارے پیشتر تاجر اور کاروباری حضرات جانتے ہی نہیں۔

آج کے زمانے میں خریدی ہوئی چیز واپس لے لینا۔ وقتاً بڑے دل گردے کا کام ہے۔ یہ رویہ یا تو وہ اختیار کرے گا جو یا تو اس عمل پر اخروی ثواب کی امید رکھتا ہو۔ دوسرا وہ جو اس رویے کے در پردہ مالی فائدہ کو سمجھ سکے۔ وال مارٹ والے ظاہر ہے گاہک سے چیز ثواب کی نیت سے واپس نہیں لیتے۔ یہ سب کچھ وہ دنیا کے مفادات کی خاطر انتہائی گہری تحقیق کے بعد کرتے ہیں۔ ظاہر ہے اتنی فراخ دلی جب دکھائی جائے گی تو کچھ لوگ اسے غلط ضرور استعمال کریں گے۔ انہوں نے اس بات پر بھی غور کر رکھا ہے۔ چنانچہ کرکس کے بعد وال مارٹ کے باہر ایک طویل قطار سلمان واپس کرنے والوں کی لگتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کرکس کے لیے جوتے، کپڑے اور ناشی وغیرہ لے جاتے ہیں اور چند دن استعمال کر کے اس پیشکش کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے واپس کر دیتے ہیں۔ لیکن وال مارٹ میں اسے بھی واپس لے لیا جاتا ہے۔ کیوں؟ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے انداز سے کے مطابق اس قسم کے لوگ معاشرے میں 3 یا 4 فیصد سے زیادہ نہیں ہوتے۔ اب اگر ان سے پوچھ گچھ کریں گے تو ہمارے 96 فیصد گاہک متاثر ہوں گے۔ لہذا ہم یہ دھوکا کھانے کے لیے تیار ہیں۔ دیکھیے! ہم جس چیز کو مشکل سمجھ رہے ہیں، وہ مغرب میں "کاروباری راز" کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ پاکستان کے بازاروں میں ایسا کیوں نہیں۔ غالباً اس کی وجہ دینی معلومات کی کمی یا دنیاوی فائدہ کے لیے سنجیدہ ریسرچ سے گریز ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ ہمارے ہاں بدعنوانی زیادہ ہونے کی وجہ سے وال مارٹ کی طرح آفر نہیں دی جاسکتی لیکن ضروری تحفظات کے ساتھ اس پر عمل تو ہو سکتا ہے۔ اگر ہم اس "کاروباری راز" پر سنت نبوی ﷺ سمجھ کر ہی عمل کرنا شروع کر دیں تو یقیناً ثواب کے ساتھ ساتھ کاروبار کو بھی بڑی تیزی سے بڑھایا جاسکتا ہے۔ اس بارے میں سوچئے گا ضرور!

اسلامی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو خرید و فروخت کے معاملہ کو ختم کرنے کو شریعت میں "اقالہ" کہتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ خریدار خریدی ہوئی چیز دوکان دار کو واپس کر دے اور کاندھ خریداری ادا کردہ رقم واپس کر دے۔ آپ ﷺ کا قول ہے "جس نے کسی خریدے ہوئے مسلمان کو (بلا بحث و مباحثہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے) واپس لے لیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گناہ مٹا دیں گے۔" مگر ہم لوگ مسلمان ہونے کے باوجود اس پر عمل نہیں کر پاتے، اور غیر مسلموں نے اس پر عمل کر کے اس اہم "کاروباری راز" کو پا لیا ہے۔ ایک اور واقعہ بیان کرتا ہوں جسے سن کر مجھے لگا جیسے میں کوئی تیراقلرون کا قصہ سن رہا ہوں۔ پاکستان میں اکاؤنٹنگ اینڈ فنانس کے ایک صاحب ہیں اپنے ساتھ امریکہ میں پیش آیا واقعہ بتاتے ہیں کہ کچرا خریدے دو ماہ ہو چکے تھے۔ بیگم نے کھول کر دیکھا تو اسے اپنے معیار کا نہ پایا۔ کہنے لگیں یہ واپس کر آئیں۔ میں نے کہا ابھی دو ماہ ہو چکے۔ اب واپس نہیں ہوگا۔ بیگم صاحبہ نے اپنی انٹلی جنس رپورٹ کا حوالہ دیتے ہوئے یقین سے کہا یہاں واپس ہو جاتا ہے۔ میں نے ہتھیار ڈالنے ہوئے کہا اچھا چلو رسید دے دو، میں سوچتا ہوں۔ اہلیہ نے حیرت کا دوسرا جھٹکا دیتے ہوئے کہا رسید بھی گم ہوگئی، لیکن واپس ہو جائے گا۔ میرے لیے یہ بیگم کا کتہء نظر قابل قبول نہیں تھا۔ میں نے تو پاکستان کی دکانوں پر لکھا دیکھا ہے، خریدی ہوئی چیز واپس یا تبدیل نہیں ہوگی۔ مجھے تو چند منٹ بعد واپس کرنے پر بھی کوئی ایسا واقعہ یاد نہیں آ رہا تھا کہ دکان دار نے اسی خوش دلی سے چیز واپس لے لی ہو، جس خوش دلی کا مظاہرہ وہ بیچنے کے موقع پر کر رہا تھا۔ خیر! میں نے کہا کہ یہ کام تم ہی کر کے دکھاؤ۔ ہم دونوں وال مارٹ پہنچ گئے۔ کاؤنٹر پر موجود خاتون نے پہلے رسید مانگی۔ پھر مختلف زبانی معلومات کے ذریعے کمپیوٹر سے اس خرید و فروخت کا پتہ لگایا اور مسکراتے ہوئے کہا: "ہی ہاں! آپ نے فلاں تاریخ کو یہ کچرا ہمارے اسٹور سے خریدا تھا۔ آپ تبدیل کروانا چاہیں گے یا کیش؟" کمیشن۔ میں نے جواب دیا۔ اس خاتون نے مسکراتے ہوئے پوری رقم واپس کر دی اور کہا "Nice Shopping"

